امریکا اور اس کے مغربی اتحادیوں کی نگاہ میں عمر البشیر کا ایک بہت بڑا اور نا قابل معافی جرم یہ بھی ہے کہ وہ کئی عرب سربراہوں کے برعکس اسرائیل کو تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہیں، جیسا کہ پچھلے صفحات پر دیے گئے اپنے انٹرویو میں انہوں نے اپنی حکومت کے خلاف مغربی مہم کے حوالے سے خود کہا ہے کہ:

''امریکا اور برطانیہ سوڈان سے اسرائیل کو تسلیم کر لینے کا مطالبہ کرتے اور اس بات کا اشارہ دیتے رہے ہیں کہ اس کے نتیجے میں دارفور کے تنازع کی منفی کورتیج روکی جاسکتی ہے.... ہم نے جب سے اقتدار سنبھالا ہے، ان پیغامات کا سلسلہ اس وقت سے کبھی بند نہیں ہوا۔ وہ عربوں کو عربوں کے بنیادی مقصد، فلسطین سے منحرف کر دینا چاہتے ہیں۔ عراق، فلسطین اور افغانستان میں جو کچھ ہو رہا ہے، یہ سب اس پر پردہ ڈالنے کے لیے ہے۔''

فلسطین کے کاز سے سوڈان کی تاریخی وابستگی اسرائیل کے لیے کس قدر تکلیف دہ ہے اور اس وجہ سے وہ اسے سزا دینے پر کس طرح تلا ہوا ہے، اس کا حوالہ اسرائیل کے وزیر داخلی سلامتی Avi Dichter کے اظہار خیال کی شکل میں دیا جا چکا ہے۔ ۴ ستمبر ۲۰۰۸ء کو اسرائیلی سیکوریٹی انسٹی ٹیوٹ میں دیے گئے لیکچر میں اسرائیلی وزیر نے کہا تھا کہ ''۱۹۶۸ء سے ۱۹۷۰ء کے دوران جب مصر اور اسرائیل حالت جنگ میں تھے تو سوڈان نے مصری فضائیہ کو اصل قوت اور بری افواج کی تربیت کے لیے اپنی سرزمین فراہم کی تھی۔ اس صورت حال کے اعادے سے بچنے کے لیے اسرائیلی ذمہ داران کا فرض تھا کہ وہ سوڈان کے لیے ایسی مشکلات کھڑی کریں جن سے نکلنا اس کے لیے ممکن نہ رہے۔''

سوڈان کو تباہ کرنے کے منصوبوں کو اسرائیل جس مستعدی کے ساتھ روبعمل لا رہا ہے، سوڈان کے معاملات کو بہتر بنانے کے لیے اسے پوری طرح نگاہ میں رکھے بغیر کوئی سوچ بچار ممکن نہیں، اس لیے Avi Dichter کا مکمل حوالہ یہاں ایک بار پھر نقل کیا جا رہا ہے۔ اسرائیل کی داخلی سلامتی کا یہ وزیر کہتا ہے:

''ہمارا ہدف سوڈان کے حصے بخرے کرنا اور وہاں خانہ جنگی کی آگ بھڑکائے رکھنا ہے۔ کیونکہ سوڈان اپنی وسیع و عریض سرزمین، بے تحاشا معدنی وزرعی وسائل اور بڑی آبادی کے ذریعے ایک طاقت ور علاقائی قوت بن سکتا ہے۔ سوڈان کے ہم سے دور دراز ہونے کے باوجود اسے عالم عرب کی قوت میں

اضافے کا سبب نہیں بننے دینا چاہیے۔ اگر سوڈان میں استحکام رہا تو وہ اپنے وسائل کے ذریعے ایسی قوت بن جائے گا جس کا مقابلہ ممکن نہیں رہے گا۔ سوڈان سے یہ صلاحیت سلب کر لینا، اسرائیلی قومی سلامتی کی ایک ناگزیر ضرورت ہے.... ہم نے سوڈان کے پڑوسی ممالک ایتھوپیا، یوگنڈا، کینیا اور زائر میں سوڈان مخالف مراکز قائم کیے، اور اسرائیل کی تمام حکومتوں نے ان مراکز کو فعال رکھا تاکہ سوڈان عالم عرب اور عالم اور عالم افریقہ میں کوئی مرکزی حیثیت حاصل نہ کر سکے.... دارفور میں ہماری موجودگی ناگزیر تھی۔ یہ سابق اسرائیلی وزیر اعظم شیرون کی دور بینی اور افریقی معاملات پر دسترس تھی کہ اس نے دارفور میں بحران کھڑا کرنے کی تجویز دی۔ ان کی تجویز پر عمل کیا گیا۔ عالمی برادری اور خاص طور پر امریکا اور یورپ نے ساتھ دیا اور بالکل ان ہی وسائل، ذرائع اور اہداف کے مطابق دارفور میں 'کام شروع ہو گیا' جو ہم نے تجویز کیے تھے۔ آج یہ امر ہمارے لیے باعث تشفی ہے کہ دارفور کے بارے میں ہمارے طے شدہ اہداف و مقاصد اب تکمیل کے آخری مراحل میں ہیں''۔[1]

اس کے ساتھ ساتھ ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ انٹرنیشنل کریمنل کورٹ پوری ڈھٹائی کے ساتھ دہرے معیارات کے مطابق کام کر رہی ہے۔ یہ نام نہاد عدالت غزہ میں قتل عام پر اسرائیل کے خلاف اقدام نہ کرنے کا جواز یہ بتاتی ہے کہ اس نے اس عدالت کو تسلیم ہی نہیں کیا اس لیے اسرائیل کے معاملات عدالت کے دائرہ کار سے باہر ہیں مگر سوڈان کے معاملے میں وہ اس اصول کو بالکل نظر انداز کر دیتی ہے اور اس رویے کا کوئی سبب بھی اس کی جانب سے نہیں بتایا جاتا۔ اس طرز عمل سے سوڈان اور صدر عمر البشیر کے معاملے میں آئی سی سی کی جانبداری پوری طرح عیاں ہے۔ دارفور سمیت سوڈان کے معاملات کی اصلاح کس طرح ممکن ہے، اس بارے میں آئندہ سطور میں چند ایسے اہل فکر کے خیالات پیش کیے جا رہے ہیں جن سے مسائل کا متوازن حل اخذ کیا جا سکتا ہے۔

دارفور میں بین الاقوامی مداخلت۔ عالم اسلام کے لیے خطرناک

واشنگٹن میں مقیم رمزی براؤد فلسطینی نژاد امریکی صحافی ہیں۔ کرٹن یونیورسٹی آف ٹکنالوجی میں ماس کمیونیکیشن کے پروفیسر ہیں۔ ان کے کالم امریکا اور یورپ کے متعدد اخبارات و جرائد میں شائع ہوتے

ا۔ عبدالغفار عزیز۔ ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور، اپریل ۲۰۰۹ء

ہیں۔ان میں کرسچین سائنس مانیٹر، انٹرنیشنل ہیرالڈ ٹریبون، واشنگٹن پوسٹ، گارڈین، لی مونڈے، عرب نیوز اور القدس وغیرہ کے علاوہ کئی مشہور ویب سائٹیں بھی شامل ہیں۔ رمزی خود پیلس ٹائن کرانیکل نامی ویب سائٹ کے ایڈیٹر ہیں۔ان کے عربی کالم لندن سے شائع ہونے والے جریدے العرب میں شائع ہوتے ہیں۔

مصر کے معروف جریدے الاہرام کے ۱۰ سے ۱۶ مئی ۲۰۰۷ء کے آن لائن شمارے میں Hourglass of blood کے عنوان سے شائع ہونے والے اپنے ایک مضمون میں انہوں نے دارفور کے معاملے کا جائزہ لیتے ہوئے اس میں بین الاقوامی مداخلت کے نقصانات پر روشنی ڈالی ہے۔ لکھتے ہیں:

''سوڈان میں دارفور کا مسئلہ آج شاید پوری دنیا میں سیاسی مقاصد کے لیے سب سے زیادہ توڑا مروڑا جانے والا تنازع ہے۔اس کی بنیاد ڈالنے میں مقامی، علاقائی اور بین الاقوامی کھلاڑی شریک ہیں۔ یہ سب سیاسی طاقت اور معاشی مفادات کی خاطر خودغرضی کے ساتھ باہمی کشمکش میں مصروف ہیں...ان میں سے کسی کے لیے بھی نہ تو دارفور کے لوگوں کا مفاد فکرمندی کا اصل سبب معلوم ہوتا ہے، نہ سوڈان کی خودمختاری۔حکومت اپنی بقا کے لیے لڑ رہی ہے، باغی گروپ بخوشی بیرونی طاقتوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں، ایک سپر پاور اس معاملے کے ذریعے دوسرے علاقوں میں اپنے بھیانک کارناموں سے دنیا کی توجہ ہٹانے کی خواہش مند ہے، یورپی کھلاڑی بڑھتی ہوئی دلچسپی کے ساتھ علاقے کی تیل کی دولت کی حرص میں مبتلا ہیں....جبکہ نقل مکانی کرنے والے بدستور کچلے جا رہے ہیں، ان کی ہلاکتوں کی رفتار خطرناک ہے، وہ اکثر صورتوں میں ایسے انتہائی غیر انسانی طریقوں سے موت کے گھاٹ اتر رہے ہیں جن کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ان حالات میں کیا کیا جانا چاہیے؟''

اس کے بعد رمزی براؤد ۲۹ اپریل ۲۰۰۷ء کو منائے جانے والے ''دارفور کے عالمی دن'' کے حوالے سے کہتے ہیں کہ اس روز دنیا کے چھتیس شہروں میں احتجاجی مظاہرے ہوئے جن میں شرکت کرنے والے ہزاروں سوڈانیوں، دارفوریوں اور دیگر افراد نے اپنی اپنی حکومتوں سے مطالبہ کیا کہ دارفور میں جاری ''نسل کشی'' بند کرانے کے لیے وہاں مداخلت کی جائے۔اگرچہ اقوام متحدہ کی ایک تحقیقاتی ٹیم دارفور کی صورت حال کو نسل کشی کہنے کو غلط قرار دے چکی ہے۔اس کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ بے شمار لوگ

غیر ضروری طور پر زیادہ تر بھوک اور بیماریوں کی وجہ سے مر رہے ہیں تاہم ان میں سے بہت سے لوگ کسی روک ٹوک کے بغیر قتل بھی ہو رہے ہیں۔ بیس لاکھ افراد پناہ گزیں کیمپوں میں ہیں، اس کے باوجود وہاں بھی یہ لوگ زیادہ تر جنجوید ملیشیا کی کارروائیوں کا شکار ہو رہے ہیں اگرچہ خود باغی گروپوں کے جنگجوؤں کا بھی نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ بھی جو سرحد پار کر کے چاڈ چلے گئے ہیں، محفوظ نہیں ہیں۔ اس کے بعد دارفور کے تنازع کی حقیقی نوعیت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں:

''دارفور کا بحران کالے اور گورے، عرب اور افریقی کا جھگڑا نہیں ہے۔ یہ احمقانہ بات ہے۔ یہ سب افریقی ہیں۔ یہ سب مسلمان ہیں، تقریباً آخری فرد تک۔ اس معاملے میں افراط وتفریط اور صورت حال کو حد سے زیادہ سادہ بنا کر پیش کرنا، میڈیا اور تنگ نظر اور خود غرض سیاستدانوں اور حکومتوں کے لیے تو مفید ہو سکتا ہے، لیکن یہ پروپیگنڈہ غلط اور پرفریب ہے۔ انتہاء یہ ہے کہ دو بنیادی باغی گروپ، سوڈان لبریشن آرمی اور جسٹس اینڈ ایکولٹی موومنٹ ۲۰۰۶ء کے وسط میں ہونے والے ابوجا سمجھوتے[1] کے بعد اب ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں۔ چاڈ سوڈان کے باغیوں کو مسلح کر رہا ہے اور سوڈان بھی یہی کچھ کر رہا ہے۔ لیکن اس امر کے پیش نظر کہ تمام ظالم اور مظلوم مسلمان ہیں، مسلمان ملکوں اور تنظیموں نے بحران کو روکنے کے لیے کیا کیا؟ ایسی صورت میں جبکہ امریکا اس المیے کو اپنے مخصوص مقاصد کے لیے عیاری کے ساتھ استعمال کرنے میں دلچسپی لے رہا ہے، مغرب کے مسلم ادارے اس پورے معاملے سے لاتعلق نظر آتے ہیں، وہ الزامات کا جواب دینے کے لیے محض زبانی جمع خرچ سے کام لے رہے ہیں۔''

اپنے تجزیے کے اس مرحلے پر رمزی براؤ لندن میں ہونے والی دارفور ریلی میں برطانیہ کی چارسو مسلم تنظیموں کی نمائندہ مسلم کونسل برطانیہ کے ڈپٹی سیکریٹری جنرل داؤد عبداللہ کے ناقابل تقابل طور پر جوش وجذبے سے بھرپور خطاب کا حوالہ دیتے ہیں۔ وہ بتاتے ہیں ''عبداللہ جمیکا سے تعلق رکھنے والے برطانوی مسلمان ہیں اور انہوں نے جدید سوڈان کی تاریخ پر خرطوم یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کیا ہے۔ وہ اس جنگ زدہ ملک میں سات سال تک رہ چکے ہیں۔ وہ نہ تو معذرت خواہ دکھائی دیتے ہیں اور نہ ان عناصر کو مورد

۱۔ یعنی ''دارفور امن سمجھوتہ''، تفصیل کے لیے دیکھیے:

http://allafrica.com/peaceafrica/resources/view/00010926.pdf